سفر نامہ ہند.......................سفرِ دہلی

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر ہم نے نہ تو کوئی دھاگا باندھا اور نہ سجدہ کیا' البتہ یہ اعتقاد ضرور باندھا کہ مرا زندہ پندار چوں خویشتن......من آیم بجاں گر تو آئی بتن......اور اسی اعتقاد کے تحت حاضری کو پابندِ شریعت رکھا کہ وہ خود شریعت کے بہت پابند تھے۔

آپ کے ملفوظات جو آپ کے خلیفہ حضرت شیخ حمید قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کیے ہیں ان کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت چراغِ دہلی کے تصوف پر اپنے مرشد کی طرح علم و شرع کا غلبہ رہا ان کی مجالس کی گفتگو علمی ہوتی' وہ مریدوں سے کاروباری و سیاسی گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی گفتگو میں فقہی حوالے سے معاملات و مسائل زیرِ بحث آتے وہ اپنے مریدین کی اخلاقی تربیت شرعی حوالوں سے فرماتے اور انہیں شعائر دینیہ کے احترام اور فرائض و واجبات کی ادائیگی پر ہوشیار کرتے مثلاً ایک روز ایک حکایت یوں بیان فرمائی کہ:......حضرت شیخ نظام الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے میں نے سنا کہ ایک واعظ تھا اس کے وعظ میں لوگوں کو رقت اور ذوق بہت ہوا کرتا تھا اور اس کے بیان بہت پسند کیا کرتے تھے' اس کا کوئی وعظ ایسا نہ ہوتا جس میں اکثر بندگانِ خدا تائب نہ ہوتے ہوں' بہت لوگ اس کے وعظ میں کپڑے پھاڑ کر بے ہوش ہو جاتے اتفاقاً وہ بڑے اشتیاق سے زیارتِ کعبہ مشرفہ کو گیا وہاں بھی لوگ اس کے مشتاق ہوئے کہ اس کا بیان ایسا ہی مؤثر تھا۔ جب حج ادا کر کے لوٹا تو لوگ منتظر اور مشتاق تر ہوئے کہ بعد از حج اثر ان کے وعظ کا سو گنا بڑھ چکا ہوگا۔ جب آیا اور لوگوں نے وعظ سنا تو اس کا عشرِ عشیر اثر بھی نہ پایا جو حج سے پہلے ہوتا تھا۔ لوگ اس کے پاس جمع ہوئے اور دریافت کیا کہ ہم تمہارے آنے کے مشتاق و منتظر تھے کہ آپ آئیں گے اور اپنے وعظ سے ہمارا ذوق اور راحت مزید بڑھائیں گے۔ جبکہ حج سے آ کر آپ نے وعظ کہا تو پہلے وعظوں کی بنسبت دسواں حصہ بھی اثر نہیں دیکھا گیا۔ آخر ایسا کیوں ہے اور یہ کس عمل کی شامت ہے؟

واعظ نے کہا یارو خداوند کریم عالم الغیب ہے اور خوب جانتا ہے کہ میں نے کوئی جرم ایسا نہیں کیا جس کی یہ سزا ہو سوائے اس کے کہ ایک نماز باجماعت مجھ سے راستہ میں فوت ہوئی کہ امام کے ساتھ ہو کر جماعت سے محروم رہا یہ بے ذوقی اسی کی شامت ہے...... یہ کہہ کر حضرت خواجہ خوب روئے اور

حاضرین بھی رونے لگے کہ ایک نماز باجماعت سفر کی صرف جماعت رہ گئی ورنہ وہ بھی پڑھ تو تنہا اپنے وقت ہی میں لی تھی، اتنی بڑی خرابی واقع ہوئی......اور قبولیت عام جاتی رہی۔ جو لوگ بے چارے بالکل نمازِ جماعت میں نہیں جاتے یا ان کی اکثر نمازیں قضا ہو جاتی ہیں ان کا کیا حال ہوگا؟ اور کتنی نعمتوں اور فوائد سے وہ محروم رہتے ہوں گے۔ (خیر المجالس)

قارئینِ محترم: نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج اکثر و بیشتر خانقاہوں میں اس تعلیم وتربیت کا اہتمام نہیں جس کا انداز آپ نے اوپر ملاحظہ فرمایا اور جو ہمارے اسلاف کے ہاں دی جاتی تھی اور مرشد جس کا اہتمام خاص رکھتے تھے۔ نہ وہ علمی گفتگو ملتی ہے جس کا تذکرہ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی جیسے بزرگان دین کے ملفوظات میں ملتا ہے مثلاً......ایک روز مجلس میں ارشاد فرمایا کہ حق تقوی کا یہ ہے کہ فرمان ہے **واتقوا للہ حق تقاتہ** اور ایک حق عبادت کا ہے کہ **ماعبدناک حق عبادتک** اور ایک حق تلاوت قرآن کا ہے کہ **یتلونہ حق تلاوتہ** وارد ہے۔ اور ایک حق معرفت کا کہ اگر مراد اس سے توحید لی جائے تو یہ ہے کہ اسے وحدانیت کے ساتھ اس طرح پہچانے جیسا کہ وہ ذات وصفات میں یگانہ ہے اور اگر معرفت اسرار ربوبیت سے مراد لی جائے تو اس کی حقیقت کی معرفت دشوار ہے اور آدمی اس کی معرفت میں مختلف المراتب ہیں......اللہ تعالی فرماتا ہے: **ما قدروا اللہ حق قدرہ**......**ای ماعرفوا اللہ حق معرفتہ**......بندہ (حمید قلندر) نے عرض کیا کہ توحید میں شرک خفی کی معرفت دشوار ہے' فرمایا ہوسکتا ہے کہ طالبِ صادق کو اللہ تعالی حق توحید اپنا عنایت کردے کہ شرک خفی سے محفوظ ہو چنانچہ انبیاء اور صحابہ اور اولیاء کو عنایت کرتا ہے مگر حق اسرار ربوبیت کا حاصل ہونا دشوار ہے کہ ماقدروا اللہ حق قدرہ......

حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی بابت ایک قصہ ہندوستان میں زباں زدِ خاص وعام ہے کہ حضرت نے اپنے مرشد کے حکم سے باؤلی کی تعمیر شروع کرائی' ادھر بادشاہ کا محل بن رہا تھا مزدور سارے باؤلی میں کام کرنے لگے بادشاہ کو اطلاع ملی تو حکم جاری کیا کہ باؤلی کا کام بند کیا جائے اور سارے مزدور محل کی تعمیر میں لگیں......اب کیا ہوا کہ مزدور دن میں تو محل پر کام کرتے حضرت نے رات کو باؤلی کا کام شروع کرادیا......پھر بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے حکم دیا چراغوں کی روشنی میں رات کو کام ہوتا ہے، چراغوں کے لئے تیل بند کردیا جائے......جب یہ حکم شاہی جاری ہوا تو مرشد کریم کی بارگاہ میں کسی نے صورتحال پیش کیا......آپ نے فرمایا نصیر الدین سے کہو آج رات چراغوں میں تیل کی بجائے پانی ڈالو اور جلاؤ چنانچہ چراغ روشن ہوگئے بادشاہ کو معلوم ہوا کہ تیل کے بغیر ہی چراغ جل رہے ہیں تو حیرت زدہ اور نادم ہوا......اسی روز سے نام چراغ دہلی مشہور ہوگیا......

حضرت نفیس الحسنی شاہ صاحب نے کیا خوب قطعہ حضرت کی شان میں کہا ہے:

☆**اعتن بنظافۃ ثوبک، وحسن رائحتک، وترتیب مظھرک، مع السواک والطیب**.☆

آہ وہ عہد باقراغ تیرا جس سے پاتے ہیں ہم سراغ تیرا
کتنے طوفان سر سے گزرے ہیں جل رہا ہے مگر چراغ تیرا

مگر مرآۃ الاسرار کے مطابق حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت زیارت بیت اللہ کو گئے تو وہاں شیخ عبداللہ یافعی سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ اس سے پہلے دہلی میں بڑے بڑے مشائخ گزرے ہیں لیکن آج کل شیخ نصیرالدین محمود چراغ روشن کئے ہوئے ہیں......اسی روز سے چراغ دہلی مشہور ہوئے...... (واللہ اعلم) آپ کو چراغِ چشتیاں بھی کہا جاتا ہے۔ ۷۵۷ ہجری میں وصال فرمایا......آپ کو علماء کی مجالس میں ابوحنیفہ ثانی کہا جاتا تھا آپ کی مجالس کا عالم یہ تھا کہ:

ہر طرف ذکر از خدا و رسول ہر طرف درسہائے فقہ و اصول

حضرت کے مزار شریف کی حاضری کے بعد اردگرد کے علاقہ پر ایک نظر ڈالی تو ہر طرف کچے مکانات' کوئی کوئی پختہ' آبادی زیادہ تر ہندوؤں کی ہے۔

دلی میں گھومتے ہوئے ہمیں یوں لگا جیسے ہم لاہور کی سڑکوں پر مٹرگشت کر رہے ہوں۔ بالکل ویسی ہی عمارتیں' لال لال کوٹھیاں اور کالج واسکول کی اینٹوں سے بنی عمارتیں' صاف ستھری سڑکیں اور گندی گلیاں' یہ سب دیکھ کر ایسا لگا کہ دلی اور لاہور کی ثقافت ایک ہی ہے......یوں تو دلی کے بارے میں ہم نے بہت کچھ سن رکھا تھا مگر ایک بات جو ہم نے عجیب وغریب سنی تھی آپ کو بھی سناتے ہیں......مولانا ابوالحسن علی ندوی کے والد گرامی مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب نے اپنا دلی کا سفرنامہ اور روزنامچہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے......دہلی اور اس کے اطراف......اس میں وہ اخلاقی انحطاط اور مذہبی تفریق کا ایک عبرتناک قصہ کے عنوان سے لکھتے ہیں......یہ بھی قصہ مولوی عبدالعلی صاحب نے بیان کیا کہ سبزی منڈی یہاں سے بہت قریب ہے اس محلّہ میں ایک مولوی صاحب آ کر رہتے تھے وہ غیر مقلد تھے' دن کو میاں صاحب کے مدرسہ میں رہتے تھے اور رات کو وہاں کرایہ سے مکان تھا' اس میں ایک بیوی صاحب بھی تھیں' اسی محلّہ میں ایک کبیرالسن میاں جی رہا کرتے تھے وہ پابندِ اوقات تھے محلّہ کے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے ایک دن ایک بڑھیا نے ان سے آ کر کہا کہ مولوی صاحب کی بیوی نے آپ کو بلایا ہے' کھڑے کھڑے ذری کی ذری سن جایئے۔ میاں جی صاحب گئے پردے کے پاس بیوی نے آ کر کہا آپ باخدا آدمی ہیں مجھ کو للہ اس ظالم کے پنجہ سے چھڑایئے۔ انہوں نے کہا خیر ہے؟ اس نے کہا خیر کہاں شر ہے۔ یہ میرا پیر ہے میں اس کی مرید' میرے خاوند موجود ہیں دھوکے سے یہ مجھ کو نکال لایا ہے۔ میاں جی کو سن کر نہایت ہی تعجب ہوا۔ اور واقعی تعجب کی بات ہے' میں نے یہاں تک جب قصہ سنا تو مجھ کو عجب حیرت ہوئی۔ مولوی صاحب فرمانے لگے میاں جی نے اس کی تسلی تشفی کی اس کے بعد چلے آئے۔ لیکن موقع کے منتظر رہے۔

☆لاتقرابعض الكتب التي تربي التشاؤم والاحباط واليأس والقنوط.☆

ایک دن مولوی صاحب سے خلوت میں کہا کہ مجھ کو تنہائی میں آپ سے ایک راز کہنا ہے بشرطیکہ وہ کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ آپ تک رہے۔ انہوں نے کہا فرمائیے............

میاں صاحب نے کہا کہ میں بھی آپ کا ہم مذہب ہوں مگر حضرت کیا کہیے اس محلّہ کے لوگ ایسے سخت ہیں' آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ آدمی مار ڈالتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ اگر میں اظہار کروں تو خدا جانے میری کیا حالت ہو' مولوی صاحب نے کہا خیر یہ بہت مناسب ہے' آپ اپنا مطلب کہیے۔ انہوں نے کہا اصل یہ ہے کہ اس محلّہ میں ایک عورت سے مجھ کو کمال درجہ کی الفت ہے لیکن اس کا خاوند موجود ہے' میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی تدبیر ہو کہ میرے قابو میں آجائے اور شریعت میں بھی جائز ہو' انہوں نے کہا کہ یہ کوئی دشوار امر نہیں ہے۔ یہ لوگ یعنی حنفی المذہب مستحل الدم ہیں' ان کا مال مالِ غنیمت ہے' ان کی بیویاں ہمارے واسطے جائز ہیں۔ آپ قابو میں لاسکتے ہوں تو شوق سے لائیے...... انہوں نے کہا بس مجھ کو یہی چاہئے تھا۔ اور وہاں سے چلے گئے۔ دوسرے وقت محلّہ کے عمائدین سے یہ قصہ بیان کیا اور یہ شرط کرلی کہ ان کو جان سے نہ ماریں۔ ان لوگوں نے اس کے خاوند کو بلا بھیجا' جب مولوی صاحب نماز کے واسطے آگے بڑھے تو ایک شخص نے نہایت درشتی کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور نہایت ہی مرمت کی اور خاوند اپنی جورو کو لے کر چلا گیا...... یہ قصہ حال ہی کا ہے۔ مجھ کو اس کے سننے سے عورت کو نکال لانے پر اتنا استعجاب نہیں ہوا جتنا ان کا حنفیہ کے مستحل الدم سمجھنے پر تعجب ہوا باوجودیکہ اس میں کچھ نہیں ہے۔

دہلی اور اس کے اطراف نامی کتاب مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی نے شائع کی ہے اور بازار میں دستیاب ہے تصدیق کے لئے صفحہ ۴۹/۵۰ پر یہ قصہ دیکھا جاسکتا ہے......

ہم نے ایسی ہی ایک بات ایک بار ایک سید صاحب سے سنی تھی وہ فرماتے تھے کہ متعہ میں اصل تغلب ہے...... اگر آپ کو کسی پر تغلب حاصل ہوجائے تو یہ زنا نہیں متعہ ہے......مگر یہ قصہ دلی کا تو اس سے عجیب تر ہے کہ بعض مسالک کے لوگ بعض دیگر مسالک کے لوگوں کو مستحل الدم سمجھیں اور ان کی بیویوں کو باندیاں سمجھ کر حرام کاری کرتے رہیں............

....

دلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ بھی دیکھنے کی چیز ہے کہ تاریخی ہے اور بہت سے دیگر بزرگانِ دین کے مزارات ومقامات بھی......مگر ہم نے زیادہ وقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں گزارا، ہوٹل سے ٹیکسی کے ذریعہ بستی نظام الدین پہنچے............ یہاں حضرت کی خانقاہ کو جانے والے راستے پر ایک مسجد پڑتی ہے عین بازار میں............ فجر کا وقت تھا ہمارا ارادہ حضرت کی خانقاہ میں

نماز کی ادائیگی کا تھا مگر یہاں مسجد والے راستہ روکے کھڑے تھے اور دعوت دے رہے تھے ذرا دین کی باتیں سنتے جایئے، ناشتہ بھی تیار ہے۔ بڑے مزے کا حلوہ پکا ہے بالکل گرما گرم۔ نماز میں چند ہی منٹ باقی ہیں ہمیں جانے کی جلدی اور انہیں ہمیں منانے کی جلدی...........

ایک بزرگ یوں گویا ہوئے...........ارے بھائی چلے ہی جاؤ گے مزار پر بس نماز یہاں پڑھ لو.....ہم نے معصومیت سے پوچھا.....کیا حضرت جی کے ہاں مسجد نہیں یا جماعت نہیں ہوتی.....کہنے لگے ہووے تو سب کچھ مگر جو مزا یہاں آوے گا وہاں نہیں ملنے کا.....

ان بزرگ نے بھی حلوے کا ذکر کچھ اس مجودانہ طریقے سے کیا کہ ہمارا نفس خوشبوئے حلوہ کے تصور سے کچھ قبولیت و میول کی جانب راغب ہونے لگا اور کہیں سے آواز آنے لگی.....آخر تم نے منصورے کا حلوہ بھی تو کھایا ہے.....دو دونان پا پا حلوہ..... یہاں کھانے میں آخر کیا قباحت ہے حلوہ یہاں کھا لو جلوہ وہاں ہو جائے گا...........ہمارے محترم بزرگ دوست حضرت قبلہ قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی صاحب (رحمہ اللہ) بڑے مرنجاں مرنج آدمی تھے.....ایک روز ہم ان کے "بلائے ہوئے مہمان" تھے دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد انہیں کہیں جانے کی جلدی تھے ورنہ عموماً کھانے کے بعد وہ گھر پہ قیلولہ فرمایا کرتے تھے، میں نے عرض کیا حضرت مجھے اجازت آپ تو اب قیلولہ فرمائیں گے.....کہنے لگے نہیں آج یہاں صرف تے ہوگی لولہ کہیں اور ہوگا...........کہیں جانا ہے...........

ادھر بھی چند لمحے ضمیر و نفس کی جنگ جاری رہی.....حلوہ ادھر جلوہ ادھر...........قریب تھا کہ ہم خطواتِ نفس پر چل پڑتے کہ یکا یک دل سے آواز آنے لگی.....اب تم حلوے کی خاطر اس مسجد جاؤ گے یا نماز کی خاطر؟ .....ادھر یہ ادھیڑ بن ادھران کا اصرارِ مسلسل.....پھر دل کے نہاں خانے سے ایک اور آواز آئی...........

تم نے نہیں سنا.....رضا نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا کہ رستے میں ہیں جا بجا تھانے والے...........بس پھر کیا تھا فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی.....ہم معذرت کر کے آگے بڑھے حضرت کے مزار شریف پہنچے یہاں جماعت میں ابھی دس منٹ تھے سکون سے دوگانہ ء سنت ادا کیا اور مزار شریف پر سلام بھی کر لیا...... نماز باجماعت مل گئی.....نماز کے بعد دل میں بار بار خیال آتا رہا کہ خواہ مخواہ حلوے کی دعوت رد کی ......واپسی پہ ناشتہ ضرور وہیں کر لینا چاہئے.....اور دعوت دینے والوں کی ہمت پہ رشک آنے لگا کہ کس قدر محنت کرتے ہیں یہ لوگ مسلک کی دعوت کے سلسلہ میں.....کاش ہم سب دین کے لئے واقعی مخلصانہ کوششیں کرتے تو کتنے لوگوں کو گمرہی سے بچانے میں کامیاب ہو جاتے .....مگر افسوس ہماری دعوت کا انداز حکمت و موعظت سے خالی اور جوش سے بھرپور ہے......

بعد از فراغتِ نماز واذ کار ہم نے ناشتے کی غرض سے بازار کا رخ کیا مگر جب اس مسجد پہ پہنچے

☆اشکر ربک علی نعمة الدین والعقل،والعافية والستر،والسمع والبصر،والرزق،والذرية،وغيرها.☆

تو دروازہ بند ہو چکا تھا.........معلوم ہوا کہ وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا چلے.........
اب نہ حلوہ......نہ صدائے حلوہ......نہ حلوے کی خوشبو.........ویسے ہمیں حلوے سے یاد آیا ایک بار قاری خیر محمد چشتی صاحب نے ہمیں دار العلوم امجدیہ کے عرس کے موقع پر اعلیٰ حضرت کی گاگر کھلائی تھی......کیا نفاست تھی اس میں اور جو میوہ جات وخوشبویات اس گاگری حلوے میں شامل تھیں کسی کھانے میں ہم نے کبھی نہ دیکھیں.........سبحان اللہ کیا باذوق تھے اعلیٰ حضرت.........مولانا غلام محی الدین چشتی، مولانا محمد رفیق زاہد چشتی، علامہ سید شاہ حسین گردیزی، مولانا محمد قاسم بلوچ اور دیگر کے نام یاد نہیں......نے خوب مل کر کھایا......

ہمارے بے چارے مولوی لوگ حلوے کی وجہ سے خواہ مخواہ بدنام ہیں......ایک بار ہمیں لاہور کی ایک اہم غیر مقلد شخصیت کی ملاقات کو جانا ہوا استاذ عبد الجواد خلف سے ان کے بڑے دوستانہ مراسم تھے انہی کے کام سے ہم گئے بھی تھے......ان کے دستر خوان پر اس روز کئی علماء بھی مدعو تھے......جو سارے کے سارے اپنی لمبی داڑھیوں اور ننگے سروں سے مؤحد مؤحد لگتے تھے......ایک ہم ہی ان میں اجنبی تھے چھوٹی ڈاڑھی اور مشرکانہ سی ٹوپی......خیر کھانا چنا گیا......اور حلوہ متعدد انواع واقسام کا رکھا گیا......پھر جو مومنین موحدین کی جماعت نے اس کے ساتھ انصاف کیا وہ انہی کا حصہ ہے......پلیٹیں یوں صاف کی گئیں کہ گیارہویں والے بھی کیا کرتے ہوں گے......اگرچہ وہاں شرک نام کو نہ تھا مگر ہم نے ایک شریک مہمان سے دریافت کیا آج کوئی خاص بات لگتی ہے؟......انہوں نے فرمایا کہ آج حضرت کے صاحبزادے کی ولادت کی خوشی میں یہ تقریب ہے......ہم نے کہا الحمد للہ پھر تو دعوتِ میلاد شریف ہی ہوئی ناں......؟

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ دلی کے اقطاب میں شمار کئے جاتے ہیں سید ہیں عالم وبحاث مشہور ہیں......خاندان وسط ایشیائی ریاستوں سے تعلق رکھتا ہے......چنگیز خان نے جب وسطِ ایشیاء کو تاخت وتاراج کرنا شروع کیا تو نقل مکانی ہوئی اسی نقل مکانی میں آپ کے جدامجد سید علی بخاری بھی مہاجرِ ہند ہوئے......ابتدأ بدایوں میں قیام فرمایا یہیں حضرت محبوب الٰہی (احمد) کی ولادت ۹۔اکتوبر ۱۲۳۹ء کو ہوئی اسی نسبت سے بدایونی کہلائے۔والد گرامی (شیخ احمد دانیال) کا سایہ سر سے جلد ہی اٹھ گیا آپ کی والدہ ماجدہ (بی بی زلیخا) نے کمال شفقت ومحنت سے تربیت کی۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر کامیاب شخص کی پشت پر کسی ماں کا کردار' کسی ماں کی آرزوئیں' کسی مادر مہربان کی دعائیں' اور کسی ام کریمہ کا ہاتھ موجود ہے......اور اگر کوئی کامیاب وکامران شخص اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہو تو اس کے پاس اس بات کو رد کرنے کی کوئی دلیل نہیں کہ صرف ایک نہیں ستر ماؤں سے بھی بڑھ کر مہربان ذات اس کی پشتیبان ونگہبان رہی ہوگی.........

☆الاتعلم ان فی الناس من فقد عقله ،اوصحته،اوهومحبوس او مشلول اومبتلی .☆

ربیعۃ الرای مدینہ منورہ کے معروف اصحاب علم وفضل میں شمار ہوتے ہیں ان کے والد فروخ صحابی تھے......ایک غزوہ میں جاتے ہوئے تیس ہزار اشرفیاں اور ایک صلبی امانت اپنی اہلیہ کے سپرد کر کے وصیت کرتے ہیں......اس امانت اور ان اشرفیوں کی حفاظت کرنا......رقم کہیں کاروبار میں لگا دینا تا کہ منافع ملتا رہے......تیس سال بعد واپس آئے تو شہر کا نقشہ بدل چکا تھا......گھر آئے بیوی کو دس ہزار اشرفیاں دیتے ہوئے کہا وہ تیس ہزار لے آؤ تا کہ ہم انہیں ان میں شامل کر دیں......اہلیہ نے کہا صبح یہ کام کر لیں گے' اور اگلی صبح فجر کی نماز کو مسجد نبوی میں حاضر ہوئے' نماز کے بعد دیکھا کہ لوگ ایک جگہ جمع ہیں اور کوئی شخص انہیں درس حدیث دے رہا ہے' دور جگہ ملی پہچان نہ سکے......مگر انداز درس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے پھر درس کے بعد جس تعظیم واحترام سے لوگوں نے مدرس سے ملاقات کی اس سے بھی بے حد متاثر ہوئے گھر آئے اور اہلیہ سے کہا آج مسجد نبوی میں ایک نوجوان کا درس سنا اور لطف آ گیا لوگ اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے اور تعظیم کرتے تھے......اہلیہ نے کہا جانتے ہو وہ کون ہے؟ کہا کون......کہا وہی تمہاری امانت......ربیعۃ الرای......طبیعت سن کر باغ و بہار ہو گئی اہلیہ نے کہا وہ جو اشرفیاں تم نے مجھے انویسٹ کرنے کے لئے دی تھیں وہ میں نے انویسٹ کیں اور ان کا نفع تمہارے سامنے ربیعہ کی صورت میں ہے......حضرت ربیعۃ الرای جیسی کتنی ہی شخصیات ہیں جنہیں متقی مائیں میسر آئیں اور انہوں نے ربیعہ جیسے نابغہ روزگار تیار کئے......یہ سلسلہ صحابہ وتابعین سے عصر حاضر تک پھیلا ہوا نظر آتا ہے......

ہم اسی تناظر میں جب سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بزرگوں کے احوال زندگی وفتوحات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ وہ عظیم المرتبت ہستی جس کا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے اس کا سر بھی کسی ایسی ہستی کے حضور جھکتا ہے جس کے قدموں میں جنت ہے......اسی جنت کی آغوش میں حضرتِ شیخ عبدالقادر جیسے سالکانِ راہ طریقت نے راہنمائی پائی ہے۔

گو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے بانی مبانی ہیں مگر سلسلہ چشتیہ کو جو فیض حضرت ہندالولی کے توسط سے ملتا ہے اس کے ڈانڈے پھر اسی ذات سے جا ملتے ہیں جس کے ارشاد قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ کو خراسان کے پہاڑوں میں مجاہدات وریاضات میں مشغول معین بسماعتِ بصیرت سن کر اپنی گردن جھکا دیتا ہے اور ادب سے کہتا ہے قدماک علی راسی وعینی......

چوں پائے نبی شد تاجِ سرت............تاج ہمہ عالم شد قدمت
اقطابِ جہاں در پیشِ درت   افتادہ چوں پیشِ شاہ......گدا

اور اس کا صلہ یہ ملتا ہے کہ زبانِ غوث سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں......سید غیاث الدین کے صاحبزادے نے گردن جھکانے میں سبقت کی ہے جس کے باعث عنقریب وہ ولایت ہند سے سرفراز کئے جائیں گے......

وہ غوث اعظم کہ جن کی شان یہ ہے کہ خود فرماتے ہیں......

انا الجیلی محی الدین اسمی　　واعلامی علی راس الجبالی

وعبدالقادر المشھوراسمی　　وجدی صاحب العین الکمالی

وما منھا شھور او دھور تمر وتنقضی الا اتا لی

وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدرالکمال

مگر اس مرتبہ ومقام تک پہنچانے والی شخصیت وہ ہے جس نے اصل کو ثابت ومضبوط بنانے میں مثالی کردارادا کیا تاکہ پھر وہ فرعھا فی السماء کی مثال پیش کر سکے......

حضرت کی والدہ محترمہ سیدہ فاطمہ ام الخیر وہ بلند بخت خاتون ہیں جنہیں غوث وقطبِ جلی کی پرورش کا موقع بخشا گیا اور آپ نے ایک گوہر نایاب امت مسلمہ کو اس طرح تیار کر کے پیش کیا کہ ہر سلسلہ کا پیروکار انہیں اپنا مرشد ہی خیال کرتا ہے......حضرت سید عبداللہ صومعی کی صاحبزادی نے اپنی والدہ سے جو تربیت پائی تھی سوانح نگارا سے سنہری حروف سے آج بھی لکھتے ہیں' کہ حضرت شیخ کے والد گرامی حضرت ابوصالح موسی جنگی دوست کے سیب کھانے کے واقعہ نے انہیں اس سلسلہ سے منسلک کیا جس میں بچیوں کی تربیت کرنے والا یہ بات دعوی سے کہہ سکتا تھا کہ اس کی نورِ نظر نے کبھی زبان سے غلط بات نہیں کہی' ہاتھوں کو کسی غلط کام میں ملوث نہیں کیا قدم کبھی کسی غلط کاری کی جانب نہیں اٹھے' آنکھوں نے کبھی شرم وحیا سے عاری منظر نہیں دیکھا' پھر اسی دخترِ نیک اختر نے سادات کے اس گھرانے میں جسے لوگ عقیدت ومحبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے' آکر اس امانت کا بار اٹھایا جس کے سر پہ امت کی اصلاح کا بار رکھا جانا تھا۔

والدِ گرامی کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد مادرِ مہربان نے جس محبت وشفقت سے آپ کی تربیت کی اس کی شہادت صلحاء واولیاء تو دیتے ہی چلے گئے' رہزنوں نے بھی اعتراف کیا کہ صدق ودیانت داری انہیں اپنی ماں سے ورثہ میں ملی ہے......

مادرِ مہرباں کی اس تربیت نے سالکِ راہ طریقت ہی کو نفع نہیں دیا بلکہ اس تربیت کے اثرات نے رہزنوں کی راہ نوردی کی ہے اور چوروں کو ابدال وقطب بنایا ہے......

اور قطبوں کو کیا بنایا اس کی بات کسی قطب سے پوچھئے فرماتے ہیں'

بے نوا۔ خستہ دلم۔ نیست کسے۔ آنکہ دہد　　خستہ را۔ جز تو دوا......حضرتِ غوث الثقلین

حضرتت۔ کعبۂ حاجاتِ ہمہ خلقان است　　حاجتم ساز روا۔ حضرتِ غوث الثقلین

اور

قطبِ دلی قطبِ ہند' حضرت قطب الدین بختیار کاکی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس استغاثہ میں عاجزی و

☆توکل علی اللہ، وفوض الامر الیہ، وارض بحکمہ، والجا الیہ، واعتمد علیہ، فھو حسبک وکافیک.☆

انکساری کو جو اعزاز بخشا ہے اس کی شان ملاحظہ ہو‘ فرماتے ہیں۔......

مردہ دل گشتہ ام و......نامِ تو محی الدین است مردہ را زندہ نما......حضرتِ غوث الثقلین

سوانح وملفوظاتِ بزرگانِ سلسلہ عالیہ چشتیہ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ ہر پودے اور ہر درخت کے پیچھے ایک مالی ہے جس نے اس کی آبیاری کے لئے مشکِ آبِ حیات بھر بھر کے ڈالی ہے‘ اور پھر پھل پھول لگانے کی استدعا‘ مالکِ ارض وسما سے اس اندازِ دلبرانہ سے کی ہے کہ ابرِ کرم کی آنکھوں سے موتیوں کی جھڑیاں لگ گئی ہیں......

ما تشنہ چو ماہی۔ ہمہ در دشت فتادیم..............اے ابر کرم بار تو بشتاب الینا

برسن ہارے رم رم جھم جھم..............دو بوند ادھر بھی گرا جانا

آج یہ عاجز ومسکیں ایک ایسے ولی کامل کی چوکھٹ کو چومنے کو حاضر ہے جس کی یادیں ہمارے شفیق والدِ گرامی نے ہمارے دلوں میں بڑے حسنِ اہتمام سے اتاری ہیں اور جن کی زیارت کا شوق برسوں سے دل میں موجیں مار رہا ہے......

علامہ اقبال نے جن بزرگانِ دین سے عقیدت کا اظہار اپنی تحریروں میں کیا ہے ان میں حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی بھی ہیں چنانچہ اقبال: ۲۹ مارچ، ۱۹۲۹ء کو مہاراجہ سرکشن پرشاد کو لکھتے ہیں:

”دھلی تو گیا تھا اور دو دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ پر بھی حاضر ہوا تھا مگر افسوس کہ پیر سنجر کے دربار میں حاضر نہ ہوسکا۔ انشاء اللہ پھر جاؤں گا اور اس آستانہ کی زیارت شرف اندوز ہو کر واپس آؤں گا۔“(۷۹)

۱۴ جنوری، ۱۹۰۹ء کو خواجہ حسن نظامی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

”حلقہ نظام المشائخ کے متعلق آج مسٹر محمد بیر سٹرایٹ لا سے سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ خدا کرے آپ کے کام میں ترقی ہو۔ مجھ کو اپنے حلقۂ مشائخ کے ادنیٰ ملازمین میں تصور کیجئے، مجھے ذرا کاروبار کی طرف سے اطمینان ہو لے، تو پھر عملی طور پر اس میں دلچسپی لینے کو حاضر ہوں گا۔ آپ نے اچھا کیا۔------- میری طرف سے مزار شریف پر حاضر ہو کر عرض کیجئے۔-----۔“(۸۰)

اقبال نے حضرت سلطان الاولیاء سے اپنی عقیدت کا اظہار متعدد تحریروں میں کیا ہے ذرا ایک تحریر شعری بھی ملاحظہ فرمائیں:......علامہ اقبال کی یہ نظم جو حضرت سلطان المشائخ سے ان کی دلی عقیدت کی ترجمانی ہے، یہ نظم انھوں نے اس وقت لکھ کر درگاہ حضرت نظام الدین دہلی بھجوائی تھی جب کہ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کسی مصیبت میں گرفتار تھے، اور علامہ ان کی وجہ سے سخت پریشان تھے، یہ نظم ان کے مجموعہ، کلام میں شامل نہیں، بلکہ باقیات اقبال مؤلفہ سید عبدالواحد معینی میں ہماری نظر سے گزری، جس کے چند اشعار ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں:

☆اعف عمن ظلمک ،وصل من قطعک ،واعط من حرمک ،واحلم علی من اساء الیک ،تجد السرور والامن.☆

کیوں نہ ہوارماں مرے دل میں کلیم اللہ کے　　طور در آغوش ہیں ذرے تری درگاہ کے
میں تری درگاہ کی جانب جو نکلا، لے اُڑا　　آسماں تارے بنا کر میری گردِ راہ کے
ہے زیارت کی تمنا المدد سے سوز عشق　　پھول لادے مجھ کو گلزار خلیل اللہ کے
شانِ محبوبی ہوئی ہے پردہ دارِرازِ عشق　　واہ کیا رتبے ہیں اس سرکار عالی جاہ کے
تر جو تیرے آستانے کی تمنامیں ہوئی　　اشک موتی بن گئے چشم تماشا خواہ کے
محوِ اظہار تمنائے دل ناکام ہوں　　لاج رکھ لینا تیرے اقبال کا ہم نام ہوں
اے ضیائے چشم عرفاں، اے چراغ، راہ عشق　　تنگ آیا ہوں جفائے چرخ نانہجار سے
سینۂ پاک علیؓ جن کا امانت دار تھا　　اے شۂ ذی جاہ! تو واقف ہے ان اسرار سے
ہند کا داتا ہے تو تیرا بڑا دربا ہے　　کچھ ملے مجھ کو بھی اس دربار گوہر یار سے
اک نظر میں خسرو ملک سخن خسرو ہوا　　میں کہیں خالی نہ پھر جاؤں تری سرکار سے
سخت ہے میری مصیبت سخت گھبرایا ہوں میں　　بن کے فریادی تری سرکار میں آیا ہوں میں
تو ہے محبوب الٰہی کر دعا میرے لیے　　یہ مصیبت ہے مثال فتنۂ محشر مجھے

علامہ اقبال کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (رحمۃ اللہ علیہ) سے بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ انگلستان روانہ ہونے سے پہلے دہلی گئے تو خواجہ صاحب کے مزار پر بھی حاضری ہوئی اور عقیدت کا اظہار اس نظم کی صورت میں ہوا:

التجائے مسافر　　**(بہ درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ دہلی)**

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا　　بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم　　نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی　　مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی　　بڑی ہے شان، بڑا احترام ہے تیرا

(بحوالہ: سلسلہ چشت اور علامہ اقبال از رانا غلام یٰسین)

حضرت سلطان الاولیاء کے مناقب میں ہر تذکرہ نگار نے لکھا ہے کہ والدِ گرامی کے وصال کے بعد محمد کو سالکِ راہِ طریقت بنایا ہے تو ماں نے......وہ ماں جو فقر وفاقہ کشی کی تربیت دیتے ہوئے محبت سے فرماتی ہیں......محمد آج ہم اللہ کے مہمان ہیں......

اور آج اسی فاقہ کش کے بدن سے روحِ محمد نکالنے کی تدبیریں عروج پر ہیں......جو ان اللہ والوں سے لو لگانے اور انہی کے نقش قدم پر گامزن رہنے کی بات کرتا ہے......

☆کرر"لاحول ولاقوۃ الاباللہ، فانہا تشرح البال، وتصلح الحال، ویحمل بہا الاثقال، وترضی ذا الجلال.☆

حضرت سلطان المشائخ کی والدہ محترمہ بی بی زلیخا رحمہا اللہ تعالی پر اللہ تعالی کی طرف سے امتحان کا دور او رانتخاب کا وقت آیا تو آپ نے عزیمت کے راستے کا انتخاب کیا' اور پھر سوت کات کات کر اس نجمِ ناتواں کو شجرِ سایہ دار وسجدہ ریز بنانے میں اپنی تمام تر کوششوں کو اس طرح صرف فرمایا...... کہ دنیا اس بات کی شاہد بن گئی کہ ہاں...... نہد شاخِ پرمیوہ سر برزمیں کا مصداق کیسا ہوتا ہے......

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں...... پھر وہ دن بھی آ گیا جب ختمِ قرآن کریم کے موقع پر استاذِ گرامی علامہ علاء الدین اصولی نے فرمایا...... تم ایک معتبر کتاب ختم کرو گے' اس لئے تمہیں دانش مندی کی دستار بندی اور فاتحہءفراغ کا اہتمام کرنا چاہئے...... سلطان المشائخ کی کل کائنات تو مادرِ مہرباں ہی تھیں' استاذ کا فرمان سنایا...... تو وہ ولیہ وقت فکر مند ہوئیں سوت کات کات کر ایک دستار تیار کروائی' اور ہاتھ کی کمائی سے کھانے کا اہتمام کیا...... بزرگانِ شہر' نے غریب خانے کو رونق بخش کر دولت خانہ بنایا اور شیخ جلال الدین تبریزی کے مرید خواجہ علی نے دستار بندی فرمائی......

پھر فراق کی وہ گھڑی بھی آ پہنچی جب اس مربیہءسلطان کو حکمِ واپسیں آ پہنچا...... ایک ماہ پہلے اطلاع ہوگئی ...... چاندرات تھی حسبِ معمول ماہتابِ ولایت نے سرماں کے قدموں رکھا...... کہا آئندہ ماہ کس کے قدموں میں سر رکھو گے...... اور کون تمہیں شفقت کی نگاہ سے دیکھے گا...... فرماتے ہیں بے ساختہ مجھ پہ گریہ طاری ہوگیا اور مجھے یقین آ گیا کہ واپسی کا اشارہ مل چکا ہے...... عرض کی میری مخدومہ مجھ غریب کو کس کے سہارے چھوڑ کے جاتی ہیں...... کہا اس کا جواب کل دوں گی...... تم آج رات شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر جا رہو...... فرماتے ہیں رات کانٹوں پہ بسر ہوئی...... صبح کنیز آئی کہ والدہ یاد فرماتی ہیں...... حاضر ہوئے' کہا بیٹا رات آرام سے تو رہے...... فرماتے ہیں میں ان کے قدموں میں گر گیا اور بے اختیار رونے لگا......

یہ ہیں وہ مادرِ مہرباں جو سالکین راہ طریقت کی تربیت فرماتی ہیں......... فرمایا کل تم نے ایک بات پوچھی تھی اس کا جواب لے لو دایاں ہاتھ آگے بڑھاؤ ہاتھ تھاما اور اس ہستی کے سپرد کرتی کیا جو ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرنے والی ہے...... عرض کی بارالہ......

میں اس بے چارے غریب بچے کو تیرے سپرد کرتی ہوں' یہ کہا اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی...... تربیت کا اثر ہے کہ فرماتے ہیں میں نے یہ کلمہ سنا تو خوش ہوا اور دل میں کہا اگر مخدومہ میرے لئے جواہرات اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ جاتیں تو اس کلمے کے مقابلے میں ہیچ ہوتا..........

حضرت کے مرشد گرامی شیخ الشیوخ فریدالدین گنج شکر کی والدہ محترمہ بی بی قرسم خاتون نہایت عابدہ وزاہدہ اور مستجاب الدعوات ولیہ خاتون تھیں۔ انہیں بھی اپنے ہونہار کی تربیت کی ذمہ داری عطا ہوئی...... حضرت خواجہ کم سن ہی تھے کہ والد گرامی حضرت شیخ جمال الدین سلیمان نے وصال فرمایا...... اور درِ یتیم کو گوہر نایاب

بنانے کی ذمہ داری بی بی صاحبہ نے قبول کی پھر جس انداز سے مائی صاحبہ نے اپنے لختِ جگر کی تربیت کی ہے اس کا ثمرہ دنیا کو ایک ولی کامل کی صورت میں ملا ہے...... اللہ سے لو لگانے کی ترکیب جو آپ کی والدہ محترمہ نے کی وہ بچوں کی حقیقی تربیت کرنے کے خواہش مند والدین کے لئے مشعل راہ ہے...... ہر روز نماز کے وقت مصلے کے نیچے شکر کی پڑیا...... محض دل بہلانے کا سامان نہیں تھا' اس میں دلوں کو زندہ کرنے' مالک سے دل لگانے اور دل بدست آور کہ حج اکبر است کا سامان کرنے کی تدبیر بھی تھی...... جو کارگر ثابت ہوئی ...... دل لگ گیا...... نہ صرف نماز میں بلکہ ہر دم دل ادھر ہی متوجہ رہتا جدھر سے صدائے کن فیکون آ رہی ہے...... پھر اس تربیت نے شوق لقاء مشائخ عطا کیا' تحصیل علم کے لئے ملتان کے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے' علوم ظاہری کی تکمیل پر علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور مرجعِ خلائق قرار پائے......

سلسلہ عالیہ چشتیہ ہی میں ایک اور مربیہ سالکین کا ذکر ملتا ہے جنہیں ہاجرہ بی بی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ ایک روز ماں بیٹا دونوں فاقہ سے سوئے تھے' کوئی اسبابِ قطعِ جوع میسر نہ تھے' صبح دم آنکھ کھلی تو کم سن بیٹے نے کہا ماں ...... بھوک لگ رہی ہے دوپہر تک ماں مختلف حیلے بہانوں سے وقت ٹالتی رہی...... ظہر کے بعد بیٹے نے پھر کہا ماں بھوک لگ رہی ہے...... ماں نے دیگچی میں پانی ڈال کر چولھے پر چڑھا دیا اور کہا کھانا پک رہا ہے...... مغرب تک یہ دیگچی چولھے پہ چڑھی رہی مغرب بعد بیٹے نے پھر کہا اماں...... بھوک لگ رہی ہے اور خود جا کر دیگچی کا ڈھکن اٹھا دیا دیکھا تو عمدہ قسم کے چاولوں سے بھری تھی...... بیٹے کو کھانا دیا اور خود سجدہ ریز ہو گئیں...... بارِالہ تو نے میری عزت کی لاج رکھ لی...... تادیر نمناک آنکھوں سے شکرگزاری میں مصروف رہیں...... یہ حضرت علی احمد صابر کی ماں ہیں...... جن سے علی احمد صبر و شکر کی تربیت لے کر صابر ہوئے اور صبر ایوبی کی نئی تاریخ رقم کر ڈالی......

یوں ہم دیکھتے ہیں بنیادی طور پر امہاتِ مشائخ نے مشائخ طریقت و رہبران شریعت کی عملی تربیت میں اہم کردار ادا کیا...... اور ان کی ابتدائی تربیت ہی عموماً کسی منزل کی نشاندہی کرتی رہی ہے...... اسی نشاندہی نے انہیں جادہ منزل پر گامزن کیا...... اور غوث و قطب و ولی کے مراتب تک پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کیا......

میں سوچتا ہوں میری والدہ محترمہ مجھے نو ماہ کا چھوڑ کر دنیا فانی سے دار بقا کو سدھار گئی تھیں اور میرے والد گرامی نے ہمیں باپ کی شفقتوں کے ساتھ ساتھ ماں کا پیار بھی دیا...... اللہ ان کے مراتب بلند فرمائے (آمین)

سوچوں میں گم اپنی داستانِ حیات کے صفحات پر نظر ڈالتے ہوئے یہ یاد ہی نہ رہا کہ...... ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے...... سامنے دیکھا تو حضرت امیر خسرو کا مزار شریف تھا...... وہ امیر خسرو کہ......

(جن کے تذکرے کے لئے آپ کو اگلی قسط کے انتظار کی زحمت کرنا ہوگی............)

☆اقنع بصورتک وموهبتک ودخلک واهلک وبيتک تجد الراحة والسعادة.☆